جلیانوالہ باغ کی داستانِ خونچکاں

از: مولانا ولی اللہ ولیؔ بستوی

پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک مسلسل جاری رہ کر اپنی تمام تر تباہیوں، ناگفتہ بہ بربادیوں، بیشمار انسانی ہلاکتوں، بے انتہا خونریزیوں اور قابلِ افسوس سفاکیوں کے بعد ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو ایک ہمہ گیر مصائب و معاہدے کے تحت بند ہوئی۔

جنگ بندی کے بعد حکومت کے سنگ دلانہ رویوں، رولٹ ایکٹ کمیٹی کے ظالمانہ قوانین اور ڈیفنس اِن انڈیا (قانونِ تحفظ ہند) کی غیر مناسب تجاویز سے ہندوستانیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی، دلوں میں انتقام کی آتش بھڑک اٹھی، سینے غیظ وغضب سے لبریز ہوگئے، پیمانۂ صبر چھلکنے لگا، ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دینے کے لیے کمر بستہ ہوگئے۔

الغرض! بدیشی ظالموں کے شکنجۂ استبداد سے خلاصی کی ہر ممکن تدبیر کو روبہ عمل لانے کا عزمِ مصمم کرلیا۔

اس عالمِ کسمپرسی میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مہاتما گاندھی اہالیانِ ہند کی رہبری وقیادت کے لیے میدانِ عمل میں آئے، اور ان دونوں محبوب و ہر دلعزیز رہنماؤں نے حکومت سے نبرد آزما ہونے اور دولت بل کی مخالفت کے لیے یکم مارچ ۱۹۱۹ء کو بمبئی میں ستیہ گرہ سبھا قائم کی اور اس کے ساتھ ہی سول ڈیفنس رویڈنس (سول نافرمانی) کو بھی پروگرام میں داخل کیا۔

تمام اہلِ ہند نے بلا امتیازِ فرق و مذاہب ان دونوں پیشواؤں کے قائدانہ پرچم تلے جمع ہوکر تائید واتفاق کا نعرہ لگایا، اور ہر طرح سے تعاون دینے کا حلف اٹھایا۔

ستیہ گرہ اور سول ڈیفنس رویڈنس کے اساسی ارکان میں کثیر تعداد میں گرفتاریاں دے کر جیلوں کو بھرنا، سرکاری عہدوں سے استعفا دینا، کارکنوں کو اسٹرائک کے لیے آمادہ کرنا، جگہ جگہ

احتجاجی جلوس نکالنا، دفاتر ومحکمہ جات پر عوامی مظاہرے کرنا، نافذشدہ قوانین کی پامالی کرنا، ہمہ گیر پیمانے پر بند اور ہڑتالیں کرکے اربابِ حکومت کو تنگ کرنا وغیرہ امور شامل تھے؛ چناں چہ پروگرام کے مطابق ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی اسکیموں پر ہر چہار جانب عمل درآمد شروع ہوگیا۔

۳۰/مارچ ۱۹۱۹ء اور ۶/اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر وغیرہ (پنجاب) میں ہمہ گیر پیمانے پر بند اور ہڑتالیں کی گئیں، حاکموں کو سخت وسست جملوں سے نوازا گیا، دفاتر ومحکمہ جاتی عمارتوں میں توڑ پھوڑ اور آتش زنی کی گئی۔

ادھر سی آئی ڈی اہلِ پنجاب کی تمام حرکتوں سے حکامِ بالا کو آگاہ کرتی رہی؛ اس لیے حکام و پولیس کی زیادہ تر توجہات پنجاب ہی کی جانب مبذول رہیں۔ زدوکوب، شدت وسخت گیری اور جلاوطنی کی وارداتیں شروع کردی گئیں۔

۳۰/مارچ اور ۶/اپریل کی ہڑتالوں کے بعد عوامی گرفتاریوں کے علاوہ پنجاب کے دو ممتاز ومحبوب لیڈروں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ مان کو گرفتار کرکے جلاوطن کردیا گیا؛ نیز اسی دوران مہاتما گاندھی کی گرفتاری کی بھی خبر اڑ گئی۔

اہلِ پنجاب کے نزدیک ان کے محبوب لیڈروں کی گرفتاری اور جلاوطنی ناقابلِ برداشت تھی؛ اس لیے وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوگئے، ان کے مشتعلانہ رخ اور منتقمانہ جذبات کو بے قابو محسوس کرتے ہوئے حکومتِ پنجاب نے مرکزی سرکار سے ۱۳/اپریل کو مارشل لاء کے نفاذ کی درخواست کی؛ چناں چہ ۱۵/اپریل ۱۹۱۹ء کو لاہور اور امرتسر میں مارشل لاء نافذ کردیا گیا۔

لیکن عوام مارشل لاء کی حدوں کو توڑ کر گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آگئے؛ نعرے بازیوں، جوشیلے فقروں، طنزیہ جملوں سے پنجاب بالخصوص امرتسر کے گلی کوچے گونج اٹھے؛ مجمع نے جذبات کی رَو میں بہہ کر انجام کی پرواہ کیے بغیر ایک بینک پر حملہ کردیا، عمارتوں کو نذرِ آتش کردیا، ملازمین کو موت کے گھاٹ اتاردیا، اس طرح مختصر سی یورش ویلغار کے بعد لوگ گھروں کو واپس چلے گئے۔

جنرل ڈائر فرنگی فوج کا ایک اعلیٰ ترین کمانڈر ہونے کی حیثیت سے ۲/لاکھ فوج کے ہمراہ فوراً امرتسر پہنچا، اور کمانڈرانہ غرور اور متکبرانہ لب ولہجہ میں یہ اعلان کیا کہ....

''شہر کے بازاروں میں یا شہر کے کسی حصہ میں یا شہر کے باہر کسی وقت بھی کسی قسم کا جلوس نکالنے کی اجازت نہیں، اس طرح کے جلوس اور چار آدمیوں کے اجتماعات کو خلافِ قانون سمجھا

جائے گا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ہتھیاروں کے ذریعہ منتشر کردیا جائے گا۔

جب جنرل ڈائر فوجی دستوں کے ہمراہ شہر کے گلی کوچوں کا گشت لگاتے ہوئے مذکورہ بالا اعلان کی خود ہی تشہیر کرتے ہوئے ۱۲ر بجکر ۴۰ر منٹ پر اپنی قیام گاہ باغ میں پہنچا تو اسے پولیس کی خفیہ خبر رساں ایجنسی نے یہ اطلاع دی کہ آج سوا چار بجے جلیانوالہ باغ میں اجتماعی جلسہ ہونے والا ہے، جنرل ڈائر اسی وقت مظاہرین کے خون سے قحط زدہ باغ کی تشنگی بجھانے کی ٹھان لی۔ جب جلسہ کا وقتِ مقررہ قریب ہوا تو چاروں طرف سے لوگ کثیر تعداد میں باغ کی طرف جوق در جوق جانے لگے اور آن کی آن میں پندرہ ہزار کا مجمع اکٹھا ہوگیا؛ عین اسی وقت جنرل ڈائر بھی، ہٹلرانہ رعب و وقار اور چنگیزانہ غرور اور نادر شاہانہ مزاج و دماغ سے مرصع ہوکر خون آشام فوج کے ساتھ جلسہ گاہ پہنچ گیا۔ ہمہ نوع جنگی اسلحوں کے علاوہ مشین گن بھی ساتھ تھی؛ لیکن باغ کا راستہ تنگ ہونے کی بنا پر اسے باہر ہی راستہ پر کھڑا کردیا گیا۔

فوج کو مختلف ٹولیوں میں تقسیم کرکے جنگی مورچوں کی طرح پوزیشن سنبھالنے پر مامور کرنے اور باغ کی چوطرفہ حصار بندی کرالینے کے بعد اس نے جلسہ گاہ پر ایک نظر ڈالی، اس نے دیکھا کہ ایک آدمی حکام اور حکومت کے خلاف اشتعال انگیز و پرجوش تقریر کررہا ہے اور مجمع ہمہ تن گوش ہے، یہ منظر دیکھ کر اس کے کمانڈرانہ غرور کو مہمیز لگی، اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس کا پیمانۂ صبر چھلک اٹھا، اس کا پارۂ غیظ وغضب آخری حد تک پہنچ گیا، اس کی خون آشام فطرت مچلنے لگی، اس کی رگ و پے میں حاکمانہ خمار سرایت کرگیا، تابِ ضبط پر اس کا قابو نہ رہا، اس کے جسم میں چنگیز و ہلاکو کی روحیں حلول کرگئیں، اس کے دماغ میں نادر شاہی درندگی رقص کرنے لگی، اس کے سامنے ہٹلرانہ دار و گیر کا نقشہ ابھر آیا۔

بالآخر ظالم نے حاضرین کو منتشر ہونے کی تنبیہ و اطلاع دیے بغیر مسلح فوج کو عام فائرنگ کا حکم دے کر محوِ تماشا ہوگیا۔

پھر کیا تھا! سفید فام وحشیوں کے لیے ایک بزمِ تفریح سج گئی، فرنگی سنگدلوں کے لیے سامانِ کیف و سرور فراہم ہوگیا، جنرل ڈائر اور اس کے ارکانوں کے ہونٹوں پر خفیف مسکراہٹ ابھری اور تدریجاً زوردار قہقہوں میں تبدیل ہوگئی، گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے ہنگامۂ صور بپا ہوگیا، جلیانوالہ باغ ایک انسانی مذبح بن گیا، جلسہ گاہ محشرستانِ قتل میں تبدیل ہوگئی، اجتماعی جلوس کا اسٹیج مقتلِ عام

کی صورت اختیار کرگیا، انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لاشوں کا ڈھیر بن گیا، حاضرینِ بزم مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، زلزلۂ قیامت کا منظر سامنے آگیا، چنگیز و ہلاکو کی روحیں بھی شرمانے لگیں، نادرشاہی سفا کی منہ چھپانے لگی، ہٹلرانہ گیرودار ماند پڑگئی، فرنگی اقتدار کی دیوی اپنی مراد پاگئی، برطانوی دیو کو مدت کے بعد پوری خوراک ملی، درندگانِ مغرب کی خون آشام فطرت آسودہ ہوگئی، معافی کا دروازہ بند ہوچکا تھا، بھاگنے کے تمام راستے مسدود تھے، ناکے ناکے پر مسلح فوج تعینات تھی، سسکیوں، آہوں، چیخ و پکار اور نالہ وفغاں سے کہرام مچا ہوا تھا، موت کی سراسیمگی قابلِ دید تھی، وہ روحوں کو گولیوں سے چھیدنے کا منظر ہی عجیب تھا، کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے، نوجوانوں کی لاشیں مرغِ نیم جاں کی طرح تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہورہی تھیں، کمسن اور نونہالانِ بزم خون اگل اگل کر جانیں دے رہے تھے، بڑے بوڑھے تو کراہنے اور آہ کرنے کی بھی تاب نہ لاسکے، کُشتگانِ وطن سے جلیانوالہ باغ بھر گیا، شہیدانِ وفا کے خونوں سے سرزمینِ امرتسر لالہ زار ہوگئی، یورشِ تاتار کی ایک جھلک نگاہوں میں گردش کرنے لگی، بخارا اور سمرقند کے قتلِ عام کی یاد تازہ ہوگئی، پنجاب میں بغداد و اندلس کی تاریخِ قتل و کُشت دہرادی گئی، سقوطِ غرناطہ کی رودادِ حزیں کا عکسِ کامل سامنے آگیا اور تاریخِ ہند میں ایک سنگین اور خونیں باب کا اضافہ ہوگیا۔

محبانِ چمن کے چوڑے چکلے سینوں پر گولیوں کی موسلا دھار بارش ہوتی رہی، مشین گنیں ہلاکت وتباہی کے مہیب شعلے بھڑکاتی رہیں، بہیمیت ودرندگی کا یہ دردناک سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا، تاآں کہ فوج نے گولیاں ختم ہوجانے پر کفِ افسوس ملتے ہوئے نہتا رہ جانے کا گلہ کیا، تو جنرل ڈائر اپنی فتح وظفر مندی کا جشنِ زریں مناتے ہوئے۔ انگریزی مؤرخ ٹامسن کے بقول پندرہ سو مقتولین اور ایک معتبر روایت کے مطابق بارہ سو زخمیوں کو مقتلِ انسانی میں چھوڑ کر یہ بے رحمانہ و سنگ دلانہ حکم نافذ کرتے ہوئے اپنی قیام گاہ کو فرحاں وشاداں روانہ ہوا کہ یہاں سے زخمیوں کو ہسپتالوں میں اور مقتولین کو برائے تجہیز و تکفین لے جانے کی بالکل اجازت نہیں۔

اس غم انگیز والم خیز خونیں معرکہ کی تفصیلات جاننے کے لیے پتھر کا کلیجہ، مادۂ احساس سے خالی جگر، اندیشۂ فساد سے بری ذہن ودماغ اور آنسوؤں سے خشک آنکھوں کی ضرورت ہے، تمثیلاً صرف ایک ایسی ستم رسیدہ خاتون کی رودادِ غم سپرد قرطاس کی جارہی ہے جس کا سرتاجِ حیات ڈائر انہ سفاکیت کا شکار ہوا تھا۔

مسٹر ٹامسن کے سوال کرنے پر اس زخم خوردہ خاتون نے اپنی خون بار آنکھوں کو پونچھا، غمزدہ چہرے کو چھپایا، ہچکیوں کو ضبط کیا، دل پر صبر وتحمل کا گراں بار پتھر رکھا، قوتِ ہوش وحواس کو جمع کیا، تابِ سخن پر بمشکلِ تمام قابو حاصل کیا، ڈگمگاتے قدموں کو سنبھالا، لرزہ براندامانہ کیفیت پر قدرے کنٹرول کیا، پھر لڑکھڑاتی زبان سے درد وکرب بھرے لہجے میں با دلِ ناخواستہ بایں طور حکایت افشاں ہوئی کہ....

گولی چلنے کے کچھ عرصہ کے بعد مجھے اپنے بازار میں پتہ چلا کہ ہزاروں آدمی قتل کردیے گئے ہیں، یہ سن کر میں پریشان ہوئی اور میں نے دل میں ارادہ کیا کہ باغ میں فوراً پہنچنا چاہیے؛ چناں چہ ہمسایہ عورتوں کے ہمراہ وہاں پہنچی جہاں پر تمام جگہ کو مردہ لاشوں سے بھرا ہوا پایا، میں نے اپنے مقتول خاوند کی لاش کو ان میں ڈھونڈھنا شروع کیا؛ چناں چہ لاشوں کے انبار کے نیچے سے میں نے اپنے شوہر کی لاش کو باہر کھینچ کر نکالا، وہ تمام جگہ خون کا تالاب نظر آتی تھی، میں نے اس لاش کو اوپر پہنچانے کے لیے امداد کی تلاش کی؛ لیکن ناکام رہی، آخرکار مایوس ہوکر واپس آگئی، اور اپنے خاوند کی لاش کے پاس بیٹھ کر تمام رات اس طرح گذار دی، جہاں پر کتوں کی وجہ سے اکثر مجھے چھتری استعمال کرنی پڑتی تھی، رات کے دو بجے ایک زخمی سکھ کے کراہنے کی آواز سن کے اس کے پاس گئی اور اس کی ٹانگ کو ٹھیک کرکے رکھ دیا، جس سے اس غریب کو افاقہ ہوا، وہاں بارہ سال کا ایک زخمی بچہ بھی تھا جو تمام شب روتا رہا، اور مجھ سے بار بار التجا کرتا رہا کہ میں اس کے پاس بیٹھی رہوں؛ کیوں کہ وہ حالتِ تاریکی میں ڈرتا تھا، پاس ہی میں ایک اور زخمی تھا جو نہایت دردناک طریقہ سے تمام رات پانی کے لیے التجا کرتا رہا، میں نے ہر چند پانی مہیا کرنے کی کوشش کی؛ لیکن ناکام رہی، تمام رات زخمیوں کی چیخیں سنتی رہی، کتوں کے بھونکنے اور گدھوں کے ہنہنانے کی آوازیں آتی رہیں۔

یہ تو ایک مصیبت زدہ خاتون کی داستانِ رنج والم تھی، اس طرح کی بے انتہا ستم خوردہ خواتین کی روداد یں چمنستانِ تاریخ میں بکھری پڑی ہیں، جن کے احاطہ وشمار کے لیے دفتر کی ضرورت ہے۔

الغرض! استخلاصِ وطن کی جد وجہد میں بے شمار سہاگنوں کو بیوگی کا لقب دینے، معصوم نونہالوں کو یتیمی کا ابدی تاج پہنانے، پُر رونق شہروں کو قبرستانوں میں تبدیل کرنے، ہنستے مہکتے

محلوں کو ماتم کدوں کا رنگ وروپ دینے ، مادرِ وطن کی غیرت وناموس پر غیر محدود فرزندوں کو قربان کرنے ،حبِّ نشیمن کے جرم میں تن من دھن کو بطورِ جرمانہ پیش کرنے ،سنگدلانِ فرنگ کے انسان خوروں کو اَن گنت وفادارانِ ہند کے ذریعہ خوراک بہم پہنچانے ، یورپی مظالم کی چکی میں صدیوں تک پسنے ، پے بہ پے قید وبند کی صعوبتیں جھیلنے ، دار ورسن کے پھندوں کو فرحاں وشاداں چومنے ، صعوبتوں اور مشقتوں کی اذیت فشاں بھٹیوں میں ماہیٔ بے آب کی طرح تپانے ، مصائب وآلام کی دشوار ترین گھاٹیوں سے گذرنے ،خونِ انسانی کے دریائے ناپیدا کنار میں صدیوں تک مسلسل تیرنے کے بعد، کاروانِ آزادی ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کے ساحل پر پہنچ کر اس گوہرِ مراد سے ہم آغوش ہو ہی گیا، جس کی حصولیابی کے لیے ہمہ نوع وہمہ گیر مصیبتوں، پریشانیوں اور اذیتوں کو داروئے شفا اور تریاقِ جان تصور کرتا رہا،.....مگر

امینِ صبحِ وطن اے نگارِ آزادی
بہت حسین ہے تیری تجلّیوں کا فسوں
مگر حیات کے ماروں نے تجھ سے کیا پایا
وطن کے راج دُلاروں نے تجھ سے کیا پایا

❁ ❁ ❁